سلسلہ مطبوعات ۵۸

عزیمت

سیریز نمبر 6

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

زیر سرپرستی

حضرت مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی
مسند نشین
خانقاہ عالیہ رحیمیہ قادریہ عزیزیہ رائے پور

سیریز نمبر

6

عزیمت

مجلس ادارت

محترم جناب محمد اسلوب قریشی
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری
ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی
مولانا مفتی عبد المتین نعمانی
مولانا محمد مختار حسن

مدیر اعلیٰ:

ڈاکٹر مفتی
سعید الرحمٰن

مدیر

مولانا مفتی
عبد الخالق آزاد

پیش کش

سیرت رسول اور معاشی مساوات ــــ حضرت مولانا محمد طاسین (مرحوم) ــ 4
تہذیبوں کا اختلاف ــــ مولانا مفتی عبد القدیر ــــ 14

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت رسولؐ اور معاشی مساوات

سیدالانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں معاشی مساوات کا جو پیغام پنہاں ہے میں چاہتا ہوں کہ اُسے کچھ واضح واُجاگر کیا جائے، لیکن اس سے پہلے دو تین اُصولی باتیں عرض کر دینا مناسب ومفید سمجھتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے انسانی رشد وہدایت کے لئے اسلام کے عنوان سے جو آخری، جامع اور مکمل ضابطۂ حیات اور نظام زندگی عطا فرمایا کتابی شکل میں اس کا نام قرآن مجید اور انسانی صورت میں اس کا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے قرآن مجید اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ایک علمی ونظری ہے تو دوسرا عملی وتطبیقی، ایک صامت وساکن ہے، تو دوسرا ناطق ومتحرک۔ کچھ واضح الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں حیات انسانی کے مختلف شعبوں اور متفرق پہلوؤں سے متعلق علمی شکل میں جو ہدایات ہیں۔ سیرت محمدؐیہ میں وہ عملی صورت سے جلوہ گر ہیں اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ قرآنی آیات کا مشہور پیکر، کامل ترین مظہر اور روشن ترین عملی نمونہ اور ماڈل ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تک سیرت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سامنے نہ ہو، قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھا سمجھایا نہیں جا سکتا۔ دراصل قرآن مجید کی حقیقی تفسیر سیرت محمدؐیہ اور حیات طیبہ ہے۔اسی کی روشنی میں قرآنی نظام فکر اور ضابطہ عمل کا صحیح تعین ہو سکتا ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سیرت محمدؐیہ، قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہے تو پھر یہ ماننا ضروری ہو جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قول وفعل

ایسا نہیں ہوسکتا جس کی نسبت آپ کی طرف صحیح ہو اور قرآن مجید میں اس کی اصل موجود نہ ہو، مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب قول وفعل کے متعلق یہ تحقیق وتفتیش تو بہرحال ضروری ہے کہ اس کی نسبت آپ کی طرف صحیح ہے یا نہیں اور وہ آپ کا قول وفعل ہے یا نہیں، لیکن جب عقلی ونقلی دلائل وشواہد سے ثابت ہو جائے کہ اس قول وفعل کی نسبت واسناد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب درست ہے تو پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ اس قول وفعل کی اصل قرآن مجید میں موجود ہے خواہ کسی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ پھر چونکہ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اسے قرآن مجید کی ہر ہر بات کا کامل علم ہے لہذا اپنے ناقص علم کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ثابت شدہ قول وعمل کا یہ کہہ کر انکار کر دینا کہ وہ قرآن مجید کے مطابق نہیں عقلاً صحیح نہیں ہوسکتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی واخروی فوز وفلاح کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ کو آئیڈیل قرار دے کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق بنانے کی حتی الامکان کوشش کریں، لیکن یہ نہ بھولیں کہ وہ خواہ کتنی ہی زیادہ کوشش کیوں نہ کریں اپنی زندگیوں اور سیرتوں کو کامل طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرت مطہرہ کے مطابق نہیں بنا سکتے کیوں کہ وہ ایک ایسے انسان کی حیات اور سیرت ہے جو نوانسان کا کامل ترین فرد اور انسان کامل کا صحیح ترین مصداق ہے اور روحانیت وتقویٰ کے لحاظ سے اس کا کوئی مثل ومساوی نہیں لہذا کوئی انسان خواہ لاکھ کوشش کرے اپنی سیرت اور زندگی کو ہر لحاظ سے کاملاً سیرت محمدؐیہ کے مطابق نہیں بنا سکتا۔ لہذا سیرت محمدؐیہ ہر حال میں اس کے سامنے بطور آئیڈیل ہی کے رہ سکتی ہے لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ ایک مسلمان کی نجات وسعادت اور فوز وفلاح کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ وہ سیرت محمدؐیہ کو آئیڈیل بنا کر اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا رہے اور اس کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتا جائے

اوراس میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے اللہ غفور ورحیم ہے اسے اس کی مخلصانہ کوشش ہی پر بے حد وحساب انعامات ورحمتوں سے نواز دے گا۔

رہا یہ سوال کہ کیوں اتنی چاہت اور کوشش کے باوجود کسی مسلمان کی سیرت کامل طور پر سیرت محمدؐیہ کے مطابق نہیں ہوسکتی؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل سیرت کا تعلق معرفت الٰہی اور صفت تقویٰ سے ہے جس انسان کے اندر جتنی زیادہ معرفت الٰہی اور کیفیت تقویٰ ہوتی ہے اتنی ہی اس کے اندر اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اتنی ہی اس کی سیرت میں پاکیزگی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ حضور نبی کریم معرفتِ الٰہی اور صفت تقوی میں انتہائی درجہ کمال پر فائز تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بھی اسی درجہ پاکیزہ اور خوبصورت تھی اور چونکہ دوسرے کسی انسان کو اس درجہ کی معرفت الٰہی، اطاعت الٰہی، صفت تقویٰ و پارسائی اور اللہ تعالی کی براہِ راست اور ہمہ وقت ہدایت وراہنمائی حاصل نہیں ہوسکتی جس درجہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب تھی۔ لہٰذا دوسرا کوئی بھی سیرت کے اس معیار تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اعلیٰ معیار تھا۔

اب میں اپنے اصلی موضوع یعنی سیرتِ رسولؐ اور معاشی مساوات کے متعلق اختصار کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے معاشی مساوات کی وضاحت ضروری ہے تا کہ خلط مبحث نہ ہو، معاشی مساوات سے میری مراد، افراد معاشرہ کے درمیان رزق ومال میں کامل برابری نہیں یعنی یہ مراد نہیں کہ جتنا اور جیسا ایک فرد کے پاس رزق حلال ہو اتنا اور ویسا ہی سب کے پاس ہو کیونکہ اس قسم کی دوسری مساوات جہاں غیر فطری اور ناقابل عمل ہے وہاں قطعاً غیر اسلامی بھی ہے۔ رزق ومال کمانے کی جو علمی وعملی صلاحیتیں، دماغی وجسمانی قوتیں اور کوششیں ہیں وہ جب سب انسانوں کی برابر نہیں بلکہ ان کے اندر تفاوت وفرق ایک حقیقت واقعہ ہے تو ان کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے رزق ومال میں کیسے برابری ہوسکتی ہے؟ اور اس میں فرق واختلاف کو کیسے

مٹایا جاسکتا ہے؟ قرآن مجید کی سورۃ النحل میں واضح بیان ہےء

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (۷۱)

''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت و برتری عطا فرمائی بعض کو رزق کم اور بعض کو زیادہ دیا''

سورۃ الزخرف میں ارشاد رب العزت ہے

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریاہ (۳۲)

''ہم نے تقسیم کی ان کے مابین ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں، اور رفعت دی بعض کو بعض پر درجوں میں تاکہ ان کے بعض دوسرے بعض سے کام خدمت لے سکیں''

سورۃ الاسراء میں ہے۔

ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدرُ ہ (۳۰)

''بے شک تیرا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں اور بھی کئی آیات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کے درمیان رزق و مال میں تفاوت اور کمی بیشی کی جو حالت ہے وہ خود اللہ رب العالمین نے فرمائی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اس کے بغیر انسانی دنیا کا اجتماعی نظام چل ہی نہیں سکتا اور بہت سی انسانی مصلحتوں کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ اگر افراد کے درمیان رزق و مال میں تفاوت نہ ہوتو وہ مصلحتیں حاصل نہیں ہوسکتیں اور معاشرے کا نظام بگڑ کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح احادیث نبویہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے بعض صحابہؓ کے پاس مال کم اور بعض کے پاس زیادہ تھا، لیکن حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس کی مذمت کی اور اس فرق وتفاوت کو دور کرنے کا حکم دیا اور اگر یہ چیز غلط اور بری ہوتی تو آپ ضرور اس سے منع فرماتے۔ غرضیکہ معاشی مساوات سے میری مراد، افراد معاشرہ کے درمیان رزق و مال میں برابری نہیں بلکہ بنیادی معاشی ضروریات اور معیار اور معیشت میں مساوات و برابری ہے۔ کچھ واضح الفاظ میں مطلب یہ کہ معاشرہ کا کوئی فرد اس معاشی سروسامان سے محروم نہ ہو جس کے بغیر عام طور پر ایک انسان اپنی طبعی عمر تک نہ امن واطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ اپنے دینی ودنیاوی فرائض ٹھیک طریقہ سے انجام دے سکتا ہے جس کی انجام دہی پر معاشرے اور نظام تمدن کے قیام وبقاء کا دارومدار ہوتا ہے۔ باالفاظ دیگر معاشرے کے ہر فرد کو گو سادہ سے سادہ شکل میں اور معمولی سے معمولی معیار پر سہی، لیکن کھانے پینے کے لیے مناسب غذا، پہننے کے لئے مناسب لباس اور رہنے سہنے کے لئے گھر میسر ہو نیز اس کے لئے ایک حد تک تعلیم اور علاج کا بھی مناسب انتظام ہو اور معیارِ معیشت میں مساوات کا مطلب مظاہرِ معیشت یعنی مکان، لباس اور غذا وغیرہ میں تقریباً برابری ہے یعنی رزق و مال میں کمی بیشی کے باوجود افراد معاشرہ کے رہن سہن بود و باش اور معاشی اوضاع واطوار میں بڑی حد تک مماثلت موجود ہو چونکہ یہ معاشی مساوات قابل عمل بھی ہے اور اپنے اندر گوناگوں انفرادی واجتماعی اور مادی و روحانی فائدے بھی رکھتی ہے۔ لہذا اسلام مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں اسے عمل میں لائیں اور قائم کرنے کی پوری کوشش کریں، اسلام کی یہ تعلیم قرآن مجید میں بھی ہے اور سنت وسیرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں بھی۔

قرآن مجید میں متعدد ایسی آیات ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین اور رازق کُل نے زمین میں جو وسائلِ رزق ومعاش پیدا فرمائے ہیں وہ نوعِ انسان کے تمام افراد کے لئے ہیں اور منشاۓ الٰہی یہ ہے کہ ان سے سب کو تمتع وانتفاع کا موقع ملے اور کوئی اس سے محروم نہ رہے مثلاً سورۃ البقرۃ میں ہے!

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۲۹)

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے انتفاع واستفادے کے لئے زمین کی تمام اشیا کو پیدا فرمایا''

سورۃ البقرہ ہی میں ہے۔

ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین (۳۲)

''اور تمہارے لئے زمین جائے قرار وٹھکانہ اور سامان تمتع ہے ایک وقت تک''

یا مثلاً سوۃ ہود کی یہ آیت

وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها (۲)

''اور نہیں ہے زمین میں رینگنے چلنے والا کوئی جاندار مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کا رزق''

سورۃ الحجر میں ہے!

والارض مددنها والقینا فیها ر واسی وانبتنا فیها من کل شیئی موزون ہ

وجعلنا لکم فیها معایش ومن لستم له برازقین

''اور زمین، پھیلایا ہم نے اس کو اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈالے اور اس میں توازن کے ساتھ ہر چیز اگائی اور اس میں تمہارے لئے سامان معاش رکھا اور ان کے لئے بھی جن کو تم رزق دینے والے نہیں۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی کئی آیات ہیں جن میں بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ زمین میں جو وسائل رزق اور اسباب معیشت ہیں بلا کسی تخصیص وامتیاز تمام بنی نوع انسان کے استعمال وانتفاع کے لئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر انسان کے لئے رزق اور سامانِ معاش کا انتظام ہو، گویا ان آیات کے اندر ایک ایسے معاشی نظام کا تقاضا ہے جس میں معاشرے کا کوئی فرد بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ ہو ورنہ وہ منشاء الٰہی کے مطابق نہ ہوگا اور نہ اسلامی کہلا سکے گا۔

اس بارے میں جب ہم کتبِ احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں جو کہ سیرت محمدؐیہ اور سنت

رسول کا محفوظ ریکارڈ اور مقدس دینی ذخیرہ ہیں تو ان میں ہمیں وہ متعدد قولی احادیث ملتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنیادی معاشی ضروریات ہر انسان کا بنیادی حق ہے جو ہر حال میں ہر انسان کے لئے محفوظ ہونا چاہیئے ۔ مثلاً جامع الترمذی کی ایک حدیث ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے۔

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان النبی صلیٰ اللہ علیہ و آلہ وسلم قال لیس لابن آدم حق فی سوٰی ثلاث بیت یسکنه وثوب یوٰری عورته وجلف الخبز والماء

''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آدمی کیلئے حق نہیں ہے سوائے تین چیزوں کے ایک گھر جو اسے چھپائے اور حفاظت دے ۔ دوم لباس جو اس کے ستر کو ڈھانپے۔ سوم کسی شکل میں روٹی پانی''

اس حدیث میں غذا، لباس اور مکان کو ہر انسان کا انسانی حق بتلایا گیا ہے۔ جس کا ایک اسلامی معاشرے میں ہر فرد کیلئے ضرور انتظام اور تحفظ ہونا چاہئے اسی وجہ سے ایک حدیث نبویؐ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جس بستی میں ایک آدمی بنیادی معاشی ضروریات سے محرومی کی وجہ سے مر جائے ۔ وہ پوری بستی گنہگار ٹھہرتی ہے۔ اللہ اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو، ایک حدیث کا مضمون ہے جس کے پاس اس کی ضرورت سے کوئی فاضل چیز ہو تو وہ اسے دوسرے کو دے دے جس کے پاس ضرورت کی چیز نہیں۔ بعض احادیث میں سربراہِ حکومت کا یہ فریضہ ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ رعایا اور شہریوں کی ضروریات کا خیال رکھے اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کرے۔

اسی طرح کتب حدیث وسیرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذاتی معاشی زندگی کے متعلق جو فعلی احادیث ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دوسروں کی ضروریات کا اس حد تک خیال رکھتے تھے کہ بعض دفعہ اپنی ضرورت کا کھانا دوسرے بھوکے کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ کر لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیشت نہایت معمولی وسادہ تھی مکان نہایت سادہ و معمولی جس کی دیواریں مٹی کی اور چھت کھجور کی شاخوں کی اور صرف اتنا اونچا کہ کھڑے ہو کر ہاتھ سے چھولیا جائے۔ لباس موٹے کھردرے کپڑے کا۔ جس پر کئی کئی پیوند لگے ہوتے اور وہ بھی صرف ایک جوڑا، غذا کی حالت یہ کہ بقول اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ مدینہ کی زندگی میں کبھی دو روز مسلسل آپ نے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ بعض دفعہ دو دو ماہ گزر جاتے اور گھر میں چولہا نہ جلتا اس لئے کہ کچھ پکانے کے لئے نہ ہوتا اور صرف کھجور اور پانی پر گزارا کیا جاتا۔ شام کے وقت عموماً فاقہ رہتا، لیکن ان ہی حضرت عائشہ سے رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ لو شئنا لشبعنا ولکنہ یوثر علیٰ نفسہ۔ اگر ہم چاہتے تو خوب سیر ہو کر کھا سکتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود پر دوسرے بھوکوں کو ترجیح دیتے تھے، یعنی آپ کی یہ فقر و فاقہ کی زندگی اضطراری نہیں، اختیاری تھی، اور اس سے مسلمانوں کو یہ عملی تعلیم دینا تھا کہ وہ بھی ہمیشہ دوسرے ضرورت مندوں اور محتاجوں کا خیال رکھیں اور یہ کوشش کریں کہ کوئی شخص بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ رہے۔

معیارِ زندگی اور مظاہر معیشت میں مساوات کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو قولی و فعلی احادیث ہیں ان میں سے ایک وہ مشہور حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے آقاؤں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کا اچھی طرح خیال رکھو۔ جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ اور ان سے اتنا ہی کام لو جو وہ آسانی سے کر سکیں۔ چنانچہ اس تعلیم کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن عوف رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں میں بیٹھے ہوتے تو باہر سے کوئی اجنبی آتا تو نشست لباس اور غذا میں مساوات و برابری کی وجہ سے وہ نہ پہچان پاتا کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون

ایک حدیث میں ہے کہ مدینہ میں ایک صحابی نے اپنے گھر کے دروازے کے اوپر ایک قبہ نما کمرہ بنالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے؟۔ کسی نے بتایا کہ فلاں کا۔ تو آپ کے چہرہ اقدس پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہوئے لیکن زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ وہ صحابی جب حسبِ معمول مجلسِ نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ ان کے سلام کا جواب دیا اور نہ ان کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ اس سے بہت پریشان اور رنجیدہ ہوئے۔ پوچھنے پر کسی صحابی نے ان کو بتلایا کہ حضور کی ناراضگی کا سبب وہ قبہ ہے جو آپ نے مکان کے دروازے پر بنایا ہے یہ سن کر صحابی فوراً گھر گئے اور اس قبے کو گرا کر مکان پہلے کی طرح کر دیا پھر ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو قبہ کو نہ دیکھ کر ماجرا پوچھا تو کسی نے بتلایا کہ آپ کی ناراضگی کی وجہ سے مالک مکان نے اسے گرادیا۔ اس پر آپ بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعا فرمائی۔ معجم طبرانی میں ایک اور ایسی ہی حدیث ہے جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ انہوں نے گھر کے اوپر ایک کمرہ بنالیا تھا جسے دیکھ کر رسول اللہ ناخوش ہوئے اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ وہ اسے منہدم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ منہدم کر دیا۔ دراصل اس قسم کی احادیث میں مکانات میں مساوات و برابری کی تعلیم ہے جو مظاہر معیشت میں سے ایک نمایاں مظہر ہے اور جس کے ذریعے لوگ عموماً اپنی مالداری اور دولتمندی کا مظاہرہ کرتے اور دوسروں پر اپنی مالی برتری جتلاتے ہیں۔

یہاں میں ایک اور حدیث نبوی کا خاص طور پر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو صحیح البخاری کی کتاب الشرکتہ میں اس طرح ہے۔

عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان الاشعر یین اذا ارملوا فی الغزوا وقل طعام عیالھم بالمدینۃ
جمعوا ماعندھم فی ثوب واحد ثم اقتسموہ بینھم فی اناء

واحد بالسویۃ فھم منی وانا منھم

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبیلہ اشعر کے لوگوں کا یہ معمول وطرزِ عمل تھا کہ جب جنگ کی حالت میں انہیں کمی خوراک کا سامنا ہوتا یا بحالت امن مدینہ میں قحط وغیرہ کی وجہ سے وہ خوراک میں کمی محسوس کرتے تو ان کے پاس متفرق طور پر جتنا سامان خوراک ہوتا ایک جگہ کپڑے پر جمع کر دیتے اور پھر ایک پیمانے سے اپنے درمیان برابر برابر تقسیم کر لیتے، پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

اس حدیث مبارکہ کے آخری لفظ فھم منی وانا منھم خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں۔ ان سے بخوبی اس شدید خواہش کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ جو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر انسانوں کے درمیان معاشی مساوات سے متعلق تھی یعنی یہ کہ یہ سامانِ ضرورت سب کو ملے اور برابری کے ساتھ ملے۔

غور سے دیکھا جائے تو محض اس سے معاشرے میں کوئی فساد و بگاڑ پیدا نہیں ہوتا کہ بعض افراد کے پاس مال کم اور بعض کے پاس زیادہ ہے بلکہ فساد و بگاڑ اس سے پیدا ہوتا ہے جب زیادہ مال والے اپنے مال کو مصارف خیر میں خرچ کرنے کی بجائے ظاہری نمود و نمائش کی خاطر مسرفانہ طور پر خرچ کرتے اور اس کے ذریعے دوسروں پر اپنی مالداری کا رعب جماتے ہیں کیوں کہ اس سے طرح طرح کی اخلاقی اور سماجی برائیاں جنم لیتی اور بالآخر پورے معاشرے کے لئے تباہی و بربادی کا باعث اور ذریعہ بنتی ہیں۔

تہذیبوں کا اختلاف اور نظریہ وحدت انسانیت

تہذیب کیا ہے؟

تہذیب کی تعریف میں محققین نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

۱۔ وہ اخلاق و عادات جن سے خاص قسم کی موزونیت و دلکشی پیدا ہوتی ہے

۲۔ وہ اشیاء جو انسان کے حسن ذوق و حسنِ عمل سے وجود میں آتی ہیں

۳۔ وہ معیار جن پر زندگی پرکھی جاتی ہے

۴۔ اصول و قوانین اور اجتماعی ادارے

۵۔ زندگی کا مکمل نصب العین

۶۔ اقدار کا ہم آہنگ شعور

۷۔ علوم و فنون اور بدائع و صنائع (ایجادات) وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہذیب کی حقیقت

دراصل تہذیب عربی لفظ ہے جسکی حقیقت تک رسائی کیلئے کلام عربی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے لسان العرب میں ہے ''تہذیب کی اصل حنظل (جو کہ اپنی کرواہٹ میں ضرب المثل ہے) کو اندر کی تمام چیزوں سے صاف کرنا اور اسکی کرواہٹ دور کر کے دانہ کو اس قابل بنانا کہ کھانے والے کیلئے خوشگوار ہو جائے''

تاج العروس میں تہذیب کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں

> تہذیب اور ہذب کی اصل درختوں کی کاٹ چھانٹ کرنا تا کہ ان کے حسن اور نشو و نما میں اضافہ ہو پھر بعد میں ہر شیء کی صفائی، اصلاح اور عیوب سے خالص کرنے کے لیئے اس کا استعمال ہونے لگا اور یہ اسکی حقیقت عرفیہ بن گیا

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہذیب کی اصل حقیقت کسی چیز کی ناخوشگواریوں کو دور کرنا اور کاٹ چھانٹ کر ایک خاص سانچہ میں ڈھالنا (۱)

حضرت امام سندھیؒ تہذیب کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''تہذیب درندگی پر قابو پانے کا نام ہے'' اس سلسلہ میں مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں جب کسی سماج کا نظام ٹوٹتا ہے تو اس وقت انسان کی درندگی کا پورا مظاہرہ ہوتا ہے میرے نزدیک انسانوں کے اندر درندگی کی جبلی قوتیں پنہاں رہتی ہیں یہ صرف تہذیب کا ایک جامہ ہوتا ہے جو انہیں ڈھانپے رکھتا ہے جب سماج کی ٹوٹ پھوٹ سے تہذیب کا جامہ پارہ پارہ ہوتا ہے تو

انسان کی درندگی سطح پر آجاتی ہے،اس وقت عوام کے ہاتھوں شرفاء پر جو کچھ گزرتی ہے اس کا بیان مشکل ہے (۲)

تہذیب کی ضرورت

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب انسانیت کا فطری جوہر اور بنیادی تقاضہ ہے، تہذیب ہی کی بناء پر انسان حیوانوں اور درندوں سے ممتاز ہوسکتا ہے اگر تہذیب کا لباس اتر جائے تو وہ ایک وحشی درندہ ہے

تہذیب کا دائرہ

پھر ہمیں تہذیب کی حقیقت وضرورت میں غور فکر کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا تعلق ودائرہ انسانیت کے کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں کیونکہ ہم پیچھے تصریح کر چکے ہیں کہ تہذیب کی حقیقت ناخوشگواریوں کو دور کرنا یا بقول امام سندھیؒ درندگی پر قابو پانا ہے تو یہ ناخوشگواریاں نفسیات، عقائد وتصورات، افکار واحساسات شخصی وانفرادی زندگی، عائلی ومعاشرتی تنظیم، معاشی وسیاسی نظام، فلسفہ واخلاق وغیرہ سب میں پائی جاتی ہیں اور حسبِ ضرورت ہر ایک کی تہذیب ضروری ہے اس لحاظ سے تہذیب کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے

تہذیب کیسے اور کیوں پیدا ہوتی ہے

اب ذرا ہم اس پر غور کرلیں کہ تہذیب کیوں اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب امام الحکمت شاہ ولی اللہؒ اپنی حکمت آفرین کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں یہ دیتے ہیں کہ خالق کائنات نے انسان جو کہ پوری کائنات کا جوہر اور خلاصہ ہے کی فطرت میں تین چیزیں ایسی ودیعت کی ہیں جنکی بناء پر یہ باقی حیوانات سے ممتاز ہے اور جو انسان کو ایک خاص طرز معاشرۃ اور تہذیب وتمدن قائم کرنے پر مجبور کرتی ہیں

۱۔ رفاہ عام کا تخیل

انسان کی ضروریات محض ذاتی بنیادی ضروریات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ان کے ماسوا اوراشیاء کی ضرورت بھی اپنے اندر محسوس کرتا ہے صرف طبعی ضروریات (بھوک، پیاس اور جنسی شہوت وغیرہ) ہی اسکو کسی عمل کیلئے آمادہ نہیں کرتیں، بلکہ اسمیں عقلی ضروریات بھی موجود ہیں جو اسمیں ایسے نفع کے حاصل کرنے اور ایسے نقصان سے بچنے کیلئے تیار کرتی ہیں جن کا تقاضا صرف عقل انسانی کرتی ہے نہ کہ حیوانی طبیعت۔

وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش میں رہتا ہے کہ وہ ایسے کام کرے جو نہ صرف اسکی ذات کیلئے مفید ہوں بلکہ دوسرے لوگوں کیلئے بھی یکساں سودمند ہوں، اکثر اوقات اسکا یہ خیال اسے کسی شہر میں ایک بہتر تمدنی نظام کے قیام کیلئے اکساتا ہے تو کبھی خود اپنے اخلاق کی تکمیل اور اپنے نفس کی اصلاح کیلئے۔

۲۔شوق حسن و جمال

فطرتِ انسانی حیوان کی طرح صرف اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے پر ہی قانع نہیں رہتی بلکہ وہ تو ہمیشہ ''خوب سے خوب تر'' کی تلاش میں رہتی ہے انسان ہر چیز میں لطافت، تازگی حسن اور خوبی کا متلاشی رہتا ہے، جس سے اپنی جمالیاتی حس کو حتی الامکان مطمئن کر سکے، مثال کے طور پر حیوانی حاجت محض وہ غذا ہے جس سے بھوک رفع کی جائے اور زندگی کی حرارت باقی رہے، لیکن انسان اسمیں بھی لذت اور لطافت کا طلبگار رہتا ہے اور اپنے اسی اطمینان کیلئے طرح طرح کے کھانے تیار کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اچھے سے اچھا خوش نما لباس زیبِ تن کرے بہترین گھر میں سکونت اختیار کرے اور ایک نہایت حسین بیوی اسکی شریک حیات ہو۔

۳۔ ایجاد و تقلید کا مادہ

بسا اوقات بہت سی حاجتوں کا کچھ لوگوں کو خیال ہی نہیں آتا، آتا بھی ہے تو انہیں پورا کرنے کا

کوئی بہتر طریقہ سمجھ نہیں آتا ایسے مواقع پر دوسرے لوگ ان کی مدد کرتے ہیں، انہیں الھام ہوتا ہے وہ اپنے ذہن سے کوئی کارآمد طریقہ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور دوسرے لوگ اس طریقے سے فائدہ اٹھاتے ہیں (۴)

معاشرے کی نشوونما اور تہذیب میں تقلید خصوصی اہمیت کی حامل ہے اگر تقلید کا جذبہ فطرتِ انسانی میں داخل نہ ہوتا تو معاشرے کی تکمیل کیلئے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا، انسان فہم ودانش (سمجھ بوجھ) میں ایک دوسرے سے مختلف ہے چنانچہ وہ تقلید کیلئے آمادہ رہتا ہے اسی وجہ سے حسن ولطافت کی جستجو، مفید تدابیر کی ایجاد، اصول وقواعد کی پیروی نیز غور وفکر کیلئے باعتبار فرصت انسان، ایک دوسرے سے بڑی حد تک مختلف ہیں، یہ کام صرف چند لوگوں کے ذمہ ہوتا ہے جو صاحب فہم وفراست (عقلمند) ہوں اور پھر دوسرے ان کی پیروی کریں۔
(ملاحظہ شعور وآگہی ۷۳ تا ۷۵)

بہرحال انسان کی یہ خصوصیات اسے مجبور کرتی ہیں کہ اپنی اخلاق وعادات میں موزونیت اور دلکشی پیدا کرے، زندگی کے بہتر معیار جو دوسرں کیلئے بھی نمونہ ہوں قائم کرے، ایسے ہی اعلیٰ اصول بہتر قوانین اور ایسے اجتماعی ادارے قائم کرے، شعور سے ہم آہنگ اقدار، علوم وفنون اور مختلف بدائع وصنائع کے حصول میں شب وروز مصروف رہ کر یوں تہذیب کا ایک اعلیٰ معیار قائم کرے۔

تہذیب کے عوامل

لیکن انسانیت کی یہ خصوصیات اسی وقت تہذیبوں کی تخلیق اور تمدنوں کے قیام میں بہتر کردار ادا کرتی ہیں جبکہ بہتر جغرافیائی، معاشی اور سیاسی حالات ان کی معاونت کریں، کیونکہ یہی عوامل کسی تہذیب کو پیدا کرتے ہیں مثلاً تاریخ کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ جغرافیائی عناصر

وخدوخال یعنی دریا جھلیں نخلستان اور سمندر آبادی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، کیونکہ پانی میں ہی جانداروں اور شہروں کی زندگی پنہاں ہے یہی آمدورفت اور تجارت کے ارزاں راستے فراہم کرتا ہے، مصر کو "تحفۂ نیل" کہا جاتا ہے میسوپوٹیمیا میں دریاؤں کے درمیان اور ان نہروں کے ساتھ کئی تہذیبیں پروان چڑھیں، ہندوستان میں آبادی اور تہذیب وتمدن دریائے سندھ برہم پتر اور گنگا کے مرہون منت تھی، چین میں انسانوں کی زندگی اور موت کا دارومدار ان عظیم دریاؤں پر تھا جو سیلاب سے زمینوں کو زرخیز بناتے ہیں (۴) وغیرہ

اسی طرح افریقہ نیگروؤں کے بارے تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بڑی تہذیب پیدا نہیں کر سکے تو اسکی ممکنہ وجہ یہی ہوسکتی ہے آب و ہوا اور جغرافیائی حالات نے انہیں مایوس و ناکام کردیا اسی طرح ہم دیکھتے ہیں مصر یونان اور روم کی قدیم تہذیبیں جغرافیائی مواقع اور معاشی و سیاسی ترقی کی پیداوار تھیں

آج کے دور میں اگر ہم دیکھیں تو ترقی پذیر ممالک تہذیب کی تخلیق میں وہ کردار ادا نہیں کررہے جو ترقی یافتہ ممالک ادا کررہے ہیں چونکہ ان کے پاس مذکورہ عوامل بہتر طور پر موجود ہیں اور ابتر معاشی وسیاسی حالات کی مجبوری کیوجہ ترقی پذیر ممالک تہذیب وتمدن میں بھی ان کے دستِ نگر ہوکر رہ گئے ہیں

تہذیبوں کے اختلاف کا سبب کیا ہے؟

چونکہ مذکورہ عوامل ہر قوم کے یکساں نہیں مختلف ہوتے ہیں جغرافیائی ماحول اور طبعی حالات کیوجہ سے تہذیبوں اور رسم ورواج خوراک، لباس اور زبان میں اختلاف ایک ناگزیر امر اور فطری تقاضہ ہے، مثلاً بنگلہ دیش کے جنوبی ضلع پہاڑی چٹاگانگ میں بانس بکثرت پایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے پودے بہت کم اس علاقے میں ملتے ہیں اس لئے وہاں کے باشندوں

کی ساری فنیات ہی بانس کے گرد اگرد قائم ہے ان کے مکانات، برتن، چار پائیاں، پردے خوراک اور فنون سب کے سب بانس سے متعلق ہیں، ریگستانوں میں صرف اونٹ ہی زندہ رہ سکتا ہے لہذا صحرائی علاقوں میں اونٹ صرف سفر کیلئے ہی نہیں بلکہ گھڑی، سنگِ میل فال نکالنے کلئے پانسہ، خوراک ولباس غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کام دیتا ہے

ہمارے پیشے بھی ہمارا طبعی ماحول متعین کرتے ہیں، ساحلی علاقوں کے بسنے والے ماہی گیر اور ملاح ہوتے ہیں پنجاب میں زمین نرم اور زرخیز ہے اور آبپاشی کا اچھا انتظام لہذا پنجابی زراعت پسند ہوتے ہیں اسی طرح برفانی علاقوں میں تفریح کا واحد ذریعہ برف پر دوڑنا یا پھسلنا ہے جبکہ دریاؤں اور سمندروں کے کنارے رہنے والے لوگ تیراکی اور کشتی رانی سے جی بہلاتے ہیں یا پھر مچھلیاں پکڑتے ہیں ہر قوم کے معروضی حالات کے مختلف ہونے کیوجہ سے اسکی تہذیب کا مختلف ہونا ایک بدھی امر ہے اسلام کے عالمگیر مذہب میں تہذیب کا فطری اختلاف اور مختلف تہذیبوں کا ہونا اور ہر قوم کا اپنی تہذیب وثقافت کو ترقی دینا نہ صرف مستحسن بلکہ اسکے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور وہ اسکو ہر قوم کا بنیادی حق تصور کرتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں

زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر ایک فرقہ کا بنیادی حق ہے۔(۵)

اللہ تعالیٰ نے تہذیب وثقافت اور زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اپنی آیات قدرت میں بتلایا ہے

چنانچہ ارشاد باری ہے

''اور اسکی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور تمہاری طرح طرح کی بولیاں اور رنگ اسمیں سمجھنے کیلئے بہت نشانیاں ہیں۔'' (٦)

بلکہ یہ فطری اختلاف وتنوع انسانیت کی تسکین حیات کا باعث ہے مولٰنا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں قرآن نے تسکین حیات کے مختلف پہلوؤں پر جا بجا توجہ دلائی ہے آزاں جملہ کائنات خلقت کے مناظر واشیاء کا اختلاف وتنوع ہے، انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی وتنوع میں خوشگواری وکیف محسوس کرتی ہے پس اگر کائنات ہستی میں محض یکسانی ویک رنگی ہی ہوتی تو یہ دلچسپی اور خوشگواری پیدا نہ ہوسکتی جو اس کے ہر گوشے میں نظر آرہی ہے

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے (۷)

تہذیبوں کا اختلاف اور وحدت انسانیت

یہ صرف اسلام کے عالمگیر قانون کی خوبی ہے کہ وہ زبردستی کسی ایک تہذیب وتمدن کی اجارہ داری کو ناجائز تصور کرتا ہے وہ اسکو انسانی معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے بلکہ اسلام کے نزدیک جیسے انسان تمام وقتی مکانی عارضی اور ظاہری اختلافات کے باوجود اصل میں سب ایک ہیں اسی طرح ان گوناگوں اخلاقی نظریوں تمدنی اصولوں اور افکار روادیان میں بھی ایک گونا وحدت ہے گو ارتقاء نے ان کو عجیب عجیب شکلیں دیں اور انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا لیکن اس کے باوجود ان تمام کے درمیان چند بنیادی باتیں ایسی ہیں جو سب میں مشترک ہیں اس لئے تہذیب کے اس فطری اختلاف کے ساتھ ساتھ تمام انسانیت کی وحدت کا نظریہ اور ان کے تہذیب وتمدن میں ایک گونا وحدت کا نظریہ رکھنا ضروری ہے

اسلام نے ابتدائی ایام میں تاریخ انسانی کی یہ خدمت بڑی خوبی سے سرانجام دی کہ جس وقت تمام قومیں آپسمیں برسرپیکار، مذاہب جنگ وجدال کا باعث اور تمدن آپس میں گتھم گتھا تھے عرب قوم کے عالمگیر انقلاب نے سب کو خس وخاشاک کیطرح بہا دیا اور پھر اس انقلاب پر

ایک عالمگیر تمدن کی بنیاد رکھی انہوں نے سب تمدنوں کو کھنگالا اور ان کے اچھے پہلو لے لئے اور انہوں نے عیسائیت، مجوسیت، یہودیت، اور صابیت سب کو ایک آنکھ سے دیکھا اور سب کو بر ملا طور پر کہہ دیا کہ انسان خواہ کوئی بھی ہو جو انسانیت کے بنیادی اصولوں کو مان لے وہ اچھا انسان ہے نام نسل رنگ اور گروہوں کے امتیازات سب باطل ہیں یوں انسانیت کو جو ٹکروں ٹکروں میں بٹ چکی تھی اس کا شیرازہ ازسر نو باندھ دیا اسلام کے اس تاریخی کارنامے کی روح دراصل اس کی عالمگیریت اور جامعیت تھی مسلمانوں نے سب مذہبوں اور تمدنوں کو اصلاً ایک سمجھا ان کی مذہبی کتاب نے ساری انسانیت کو مخاطب کیا حضرت امام سندھی فرماتے ہیں

قومی ذہن کا انسانی تصور سے عاری ہونا زوال کیطرف اس کا پہلا قدم ہے اسلام کے حق میں دوام کا وعدہ محض اسی بناء پر تھا کہ وہ انسانیت عامہ کا تصور پیش کرتا ہے فی الحقیقت مسلمان وہی ہے جس کے ذہن میں کل انسانیت کی گنجائش ہے ایک لحاظ سے اللہ پر ایمان کے بھی یہی معنی ہیں شاہ ولی اللہؒ صاحب کی حکمت آفرین طبیعت کا کمال ہے کہ اس دور میں انہوں نے اسلام کی عالمگیر روح کو بے نقاب کیا (ملاحظہ ہو شعور و آگہی)

قرآن کا مقصود

امام انقلاب شارح فکر ولی اللہ حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کا مقصود اصلی انسانیت عامہ کا تزکیہ اور اس کا ارتقاء ہے وہ تمام انسانیت کو اس بنیادی اصول و مقصد کیطرف لوٹا نے آیا ہے اس کا پیغام یہ تھا کہ سب انسان ایک ہیں رنگ و نسل اور قوم کا فرق حقیقی نہیں دھڑے بندیاں اور گروہ بنانے کی طبقہ وارانہ ذہنیت غلط ہے قرآن نے یہی عالمگیر اور ناقابل تغیر اصول پیش کئے ہیں ان کو اگر غور سے سمجھ لیا جائے تو صحیح وحدت انسانیت کی صحیح روح کو پالیتا ہے،

اسی بناء پر قرآن نے اپنے ابتدائی عہد میں قیصریت اور کسرویت کو جو اس وقت

استحصال بالجبر کی بدترین مظہر تھیں ختم کرنے کی دعوت دی اور اسکی جگہ ایسا نظام قائم کیا جسمیں انسانی مساوات ہر ایک سے انصاف اور اخوۃ بنیادی اصول تھے قرآن کی تمام تعلیمات کا دارومدار ہمارے خیال میں انہی اعمال صالحہ پر ہے اور چونکہ جب تک اعلیٰ اور بلند نصب العین انسان کے سامنے متعین نہ ہو اس سے اعمال صالحات کا ظہور ممکن نہیں ہوتا اس لئے قرآن نے بار بار ایمان باللہ پر زور دیا یعنی ایمان باللہ نصب العین ہے اور مساوات انصاف اور اخوت کے ذریعے انسانیت عامہ کی فلاح و بہبود ہی اس نصب العین کو عمل میں لانے کا ذریعہ اور طریقؔ تو ایمان باللہ کا عقیدہ انسانیت کیلئے ایک بلند اور اعلیٰ نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے اور اس دنیا میں اس سے اعلیٰ تصور ممکن نہیں اللہ کے تصور میں وحدت انسانیت اور وحدت کائنات سب آجاتے ہیں اور ذہن کے سامنے لامحدود اور بے کنار وسعتیں واشگاف ہو جاتی ہیں

نظریہ وحدت اور ارتقاء

گذشتہ سطور سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب تک ہم کوئی بلند نصب العین سامنے نہیں رکھیں گے اسوقت تک ہم کوئی عمل صالح نہیں کرسکتے وہ نصب العین عقیدہ وحدۃ الوجود ہے ، جو وحدۃ انسانیت بلکہ وحدت کائنات کو اپنے اندر لئے ہوئے اسی عقیدہ کا ایک اور اہم تقاضایہ بھی ہے کہ ہم یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ نظام عالم ترقی پذیر ہے وہ ابتدائے آفرنیش سے لیکر اب تک سینکڑوں قالب بدل چکا ہے جمادات ارتقاء کے ذریعے نباتات کی شکل اختیار کرتے ہیں اور نباتات کے بعد حیوانی منزل شروع ہوتی ہے، حیوانات کی ارتقائی منزل کی سرحد سے انسانیت کی سرحد نمودار ہوتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ صاحب مخلوقات کے ان ارتقائی مدارج ہی کی مثال سے اجتماعی اداروں یا انسانی معاشرہ کے مختلف درجات کا باہمی ربط و تعلق سمجھاتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ

وہ معاشرہ میں ارتقاء کو اسی طرح کارفرما مانتے ہیں جس طرح کائنات کے دوسرے مظاہر ہیں چنانچہ بدور بازغہ میں فرماتے ہیں

انسانی معاشرہ کا ابتدائی درجہ اجتماعی اداروں کی تشکیل جانوروں کے اجتماع سے کچھ زیادہ مختلف نہیں فرق اتنا ہے کہ حیوانات میں یہ ادارہ بطور اجمال پایا جاتا ہے انسانوں میں آکر یہ پوری طرح نشوونما پاتا ہے جسکی وجہ سے انسانی معاشرہ اپنی اس ابتدائی شکل میں بھی حیوانات کے اجتماع کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہوتا ہے، حیوانی معاشرہ کے بعد انسانی معاشرہ کا یہ ابتدائی درجہ بالکل اسطرح وجود میں آتا ہے جیسے عناصر کائنات سے جمادات پیدا ہوتے ہیں انسانوں میں معاشرہ کا دوسرا درجہ پہلے درجے کے بعد آتا ہے اس سے پہلے نہیں آسکتا اسکی مثال بالکل ایسی ہی سمجھنا چاہیے جیسے جمادات کے بعد نباتات کا آنا انسانی معاشرہ کے اس درجہ میں پہلے درجہ کی تمام باتیں پائی جاتی ہیں لیکن اب اسمیں لطافت عمدگی اور بہتر تنظیم پیدا ہو جاتی ہے دوسرے درجہ کے بعد معاشرہ انسانی کے تیسرے درجہ کا آنا نباتات کے بعد حیوانات کی تخلیق کے مانند ہے جس طرح حیوانات میں نباتات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں اسی طرح اس تیسرے درجہ میں دوسرے درجہ کی صفات بھی ہوتی ہیں لیکن ذرا مختلف شکل میں، حیوانیت کے بعد انسانیت کی منزل آتی ہے اجتماعی اداروں میں اسکی مثال تیسرے اور چوتھے درجہ کو سمجھنا چاہیئے،

ہمیں یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ امام شاہ ولی اللہؒ وحدۃ الوجود کے ذہن کے تحت معاشرہ انسانی کو جامد نہیں بلکہ ارتقاء پذیر مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ معاشرہ کبھی ایک حالت پر نہیں رہتا وہ ہمیشہ سے ایک حالت پر نہیں ہے جسمیں آج نظر آتا ہے اس درجہ تک وہ بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد پہنچا ہے انسانی معاشرہ میں پہلے اتنی بہتر تنظیم اور خوبی نہ تھی جتنی کہ آج پائی جاتی ہے انسانوں میں جماعت پسندی جتنی قوت کی آج مالک ہے اس سے پہلے نہ تھی یہی انسانیت کا

ارتقاء مختلف شرائع اور قوانین میں تبدیلی کا سبب ہوتا ہے چنانچہ امام سندھیؒ فرماتے ہیں قانون نتیجہ ہوتا ہے ایک خاص قوم کے خاص حالات اور خاص زمانے کے تقاضوں کا زمانہ بدلتا ہے اس کے ساتھ اس کے تقاضے بھی بدلتے ہیں اور حالات میں بھی تبدیلی ہوتی ہے ''کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَانٍ یعنی ہر نیا زمانہ ''شان اللہ'' ہے'' اور اللہ کی شئون کی نہ کوئی حد ہے اور نہ حساب، نئے زمانے کو نہ ماننا اور اس کے تقاضوں کا انکار کرنا شئون اللہ کا انکار ہے، شاہ ولی اللہؒ کا کمال یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کا صحیح تجزیہ کیا، حکمت جو دائمی سرمدی اور عالمگیر ہے اسکو قانون سے نمایاں کر کے دکھلایا، چونکہ قانون کا قوم کے مزاج اور حالات سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے اسلیئے قانون ابدی اور سرمدی نہیں ہوسکتا ابدیت صرف حکمت کو ہے اور قانون کی حیثیت ایک نمونے اور مثال کی ہوتی ہے۔

انسانیت کے ارتقاء میں رکاوٹ ڈالنے والے عوامل

گزشتہ سطور میں یہ بات واضح طور پر منکشف ہو جاتی ہے کہ نظریہ وحدت اور ارتقاء آپسمیں لازم وملزوم ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم زمانہ کی ترقی کے ساتھ چلیں اور بدلتے ہوئے حالات کیلیئے نئے قوانین بنائیں اگر ہم آگے نہیں بڑھتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں تو شئون اللہ کا انکار ہے جو کفر ہے

اب آخر ہمیں یہ معلوم کرنا ہے ترقی کی راہ میں حائل کون کون سے عوامل ہیں تا کہ ہم ان کو دور کرنے کیلیئے جدو جہد کریں میں مختصراً ان عوامل کی نشاندہی کرتا ہوں تفصیلات کا اس مختصر مقالہ میں موقع نہیں،

(۱) وہ رسمی مذاہب جو گروہیت کا شکار ہو چکے ہیں یا انسانیت کے محدود طبقوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کے حکمرانوں کے آلہ کار ہیں

(۲)وہ تمدن جسمیں محدود طبقہ تمدنی لحاظ سے بہت آگے بڑھ جائے اور دوسرے لوگ جو تعداد میں بہت زیادہ ہوں بہت پیچھے رہ جائیں جس کے سبب لاکھوں اور کروڑوں انسان تو معمولی معاش کی ضروریات کو ترسیں اور چند ایک کے پاس بہت دولت جمع ہو جائے یوں قوم کو روگ لگ جائے افراد کی صلاحیتیں بیکار ہو جائیں عیش پرستی عام طور پر پھیلنے لگے عمومی مفاد کا خیال کسی کو بھی نہ رہے ، ہر شخص صرف اپنی خواہشات پوری کرے خواہ اس کا ہمسایہ بھوکوں مرے

(۳)وہ تعلیم جو صرف چند طبقوں تک محدود ہو ان کے مفادات پورے کرتی ہو اور انسانیت کے مفاد عامہ کا اس میں خیال نہ ہو ایسی تعلیم بھی باطل اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے

(۴) وہ رسوم ،اخلاقی معیار ،آداب واطوار جس کے پیش محدود انسانوں کی تہذیب اور مخصوص طبقوں کی خوشنودی ہو، جو کبھی اسطرح بت بن جائیں جسطرح کبھی پتھر کے بت غیر اللہ بن گئے تھے

(۵) سب سے ایسا نظام جو ان تمام عوامل کا محافظ اور موجد ہو ، اس سلسلہ میں حکیم الاسلام امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسانی ضروریات پورا کرنے کیلئے جو اجتماعی ادارے قائم ہوتے ہیں مرور زمانہ کیساتھ ان کا ڈھانچہ بگڑ جاتا ہے اور ان میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان خرابیوں کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جماعت کی رہنمائی اور نظام معاشرہ کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو مفاد عامہ اور رائے کلی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی بہیمانہ خواہشات کو پورا کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو جاتے ہیں جماعت کی اکثریت ان کی پیروی کرنے لگتی ہے اور اس طرح تہذیب وتمدن کی بنیادیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں ایسے موقعہ پر معاشرہ کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کیلئے فطرت کچھ ایسی طاقتور شخصیتیں پیدا کرتی ہے جو انسانیت کا کھوٹ دور کر کے اسے دوبارہ نکھار دیتی ہیں

شاہ صاحب کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد انسانیت کو خدا کی عبادت اور بندگی کے طریقے سکھلانے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ تہذیب وتمدن کی خراب اور تباہ کن رسم و رواج کا خاتمہ کریں اور انکی جگہ لوگوں کو صحیح قسم کے ادارے قائم کرنے کی ترغیب دیں ان کے اس وعظ ونصیحت کا نتیجہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یہ نکلا ہے کہ انسانی معاشرے حق وصداقت کی نئی بنیادوں پر قائم ہو کر ترقی وارتقاء کے مدارج نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کرتے رہے ہیں (۱)

نظریہ ایمان باللہ اور وحدت انسانیت کا تقاضہ

آج کے دور میں ہم دیکھیں تو انسانیت کی ترقی کی راہ میں تمام عوامل ہی موجود ہیں ان حالات کے پیش نظر ہمارے عقیدہ توحید کا تقاضا ہے کہ ہم اس کو عملی دنیا میں مادی شکل دینے کیلئے مسلسل جہاد کریں اپنے آپ سے جہاد کریں خاندان والوں سے جہاد، سماج سے رسم ورواج سے قوم سے جو اس عقیدہ کی رو سے غلط کار ہے جہاد کریں ساری دنیا اگر اس عقیدہ کی راہ میں حائل ہے تو اس کے خلاف جہاد کریں اگر عقیدہ محض عقیدہ ہے اور خارج میں اس کا کوئی اثر نہیں تو یہ عقیدہ ناقص ہے اسی طرح اگر بغیر عقیدہ کے جہاد کریں تو یہ جہاد بھی ناقص ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا

وما علینا الا البلاغ

(تحریر مولانا مفتی عبدالقدیر)

حوالہ جات

۱۔تہذیب کی تشکیل جدید صفحہ نمبر ۴۰

۲۔افادات وملفوظات حضرت سندھیؒ صفحہ نمبر ۴۷۲

۳۔شعور وآگہی صفحہ نمبر ۷۳تا۷۵

۴۔تاریخ کیا سکھاتی ہے صفحہ نمبر ۱۷

۵۔شعور آگہی صفحہ نمبر ۱۲۰

۶۔سورہ روم آیت نمبر ۲۲

۷۔مقدمہ ترجمان القرآن جلد اول